مسلک سلیمانی

ڈاکٹر غلام محمد

ایک ایسے دور میں جو اہل کمال علماء و فضلاء کا دور تھا حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گوناں گوں کمالات کی وجہ سے ایک انفرادیت حاصل تھی۔ ان کی ذات میں حضرت شاہ ولی اللہ کا عمق اور عبقریت علامہ ابن قیم کی وسعت اور محتاط فکری حریت اور امام غزالی کی حکمت وللّٰہیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے، اسی لیے ان کو سمجھنے اور ان کے مسلک کا واضح تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی کوشش میں ضروری ہے کہ نہ تو اپنے ذوق اور رنگ نظر کو آنے دیا جائے اور نہ تنقید یا توثیق غیر کے خیال کو کوئی اہمیت دی جانے بلکہ ان کو ویسا ہی دیکھا جائے، جس انداز سے وہ بزم آرا رہے۔

حضرت علامہ کی شخصیت چونکہ پہلو دار ہے اس لیے ہم اختصار کے ساتھ مگر الگ الگ دیکھیں گے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور اجتماعیات میں ان کا مسلک کیا تھا؟

تفسیری مسلک

حضرت علامہ کے نزدیک قرآن پاک کا سب سے یقینی اور صحیح مطلب ومفہوم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے متعین ہوتا ہے، اس لیے قرآن فہمی کے لیے بنیادی توجہ حدیث وسنت پر ہی ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں۔

”قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے ملک عرب میں فصیح و بلیغ عربی زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر اترا، اس میں نظریے بھی تھے اور عملی تعلیم بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا اور ان کی عملی تعلیمات کو عملاً کر کے اور برت کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لیے کہ وہ اسی کلام کا پہلا مخاطب تھا اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھاتا تھا، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اسلام کے مطلب کو سب سے معتبر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لیے اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم و عمل سے اس نے دوسروں کو جو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے۔ اس لیے قرآن پاک کے سمجھنے کے لیے حامل قرآن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تفسیر سے

© rasailojaraid.com

بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔" (معارف ۱۹۳۸ء)

اس کے بعد دوسری چیز زبانِ عربی، اس کے قواعد اور محاورۂ عرب سے پوری پوری آگاہی ہے، جس کے بغیر قرآن پاک کی صحیح تفسیر ممکن نہیں، حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

"کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے۔ یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح میں اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو اور ہمارے اس تصرف کا منشأ صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعادِ عقلی کی تسکین کر سکیں۔" (ایضاً)

اس کے بعد جو بات فرمائی ہے، وہ بہت غور سے سننے کی ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"حالانکہ استبعادِ عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلافِ عقل کے معنوں میں ہے، عقل کی وسعت اور استبعاداتِ عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لیے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جا سکتا۔" (ایضاً)

اب رہی یہ بات کہ ہر زمانے میں عقلی مسلمات بدلتے رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے فکری فضا بدلتی رہتی ہے اور ہر دور کے لوگ اپنے زمانہ کے مؤثرات کے تحت ہی کسی بھی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، اس لیے قرآن فہمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ٹھہر سکتی۔ تو اس کا جواب حضرتِ علامہ یہ دیتے ہیں۔

"فانی انسانوں کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرینِ قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک کو محیط ہے۔ اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جا سکتا اس لیے اگر مخلص اہلِ علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کر سکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ، مخاطب اول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور زبان کی لغت و قواعد کے خلاف نہ ہوں۔ تو ان کی یہ سعی مشکور ہو گی۔ اسی بنا پر جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا۔ اس نظر سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں۔ معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبد الجبار معتزلی کی تنزیہ القرآن اور اہلِ سنت میں امام ابو منصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن، امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں۔" (ایضاً)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اپنے اپنے زمانہ کے مؤثر ترین ... کی بہترین ترجمان'' کا جملہ خوب ذہن نشین رہے کیونکہ اسی بنیاد پر علامہ مرحوم آخر حیات تک یہی فرماتے تھے، کہ قرآن کی بہترین تفسیر کسی بھی تفسیر کو قرار نہیں دیا جا سکتا یہی جواب انھوں نے عین مرض وفات میں اس وقت کے سفیر شام متعینہ پاکستان کو بھی دیا تھا جب سفیر صاحب نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ قرآن پاک کی سب سے اچھی تفسیر کون سی ہے؟

حضرت علامہ کے تفسیری مسلک کے سلسلہ میں ایک اور اہم بات، یاد رکھنے کی یہ ہے کہ وہ الفاظِ قرآنی کے مراد ظاہری سے عدول کو روا نہیں رکھتے تھے۔ میرے استاذ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآنی آیات سے اعتبارات، صوفیانہ نکات اور آیات کے نتائج قیاسی نکالنے کا خاص ذوق تھا، اور اس کے اثر سے اس عاجز کی طبیعت بھی اس نہج کے نکتوں اور چٹکلوں کو پڑھ کر جھوم جاتی ہے۔ مگر جب ایسی کوئی بات میں نے حضرت علامہ سے نقل کی تو سختی سے متنبہ فرمایا کہ الفاظ قرآنی کے ''ظاہر مراد'' سے عدول [illegible] مراد متعین کرنے کے لیے ایک ہی لفظ کے جتنے استعمالات قرآن پاک میں آئے ہیں، ان سب کا احاطہ کر کے اس کی مراد کو متعین کرنا چاہیئے، مثلاً قرآن پاک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' کہا گیا ہے، تو اب دیکھنا چاہیے کہ لفظ ''خاتم'' قرآن پاک میں کس کس معنی میں بولا گیا ہے تاکہ ختم نبوت کا قرآنی مفہوم متعین ہو سکے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو یہ لفظ یا تو اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا کہ باہر کی چیز اندر نہ جا سکے جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (یعنی رسول کی بات دل میں نہیں جا سکتی) یا پھر اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا، کہ اندر کی چیز باہر نہ نکل سکے جیسے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (یعنی حشر کے دن کافروں کے دل کی کوئی بات منہ سے باہر نہ نکل سکے گی) - یا پھر یہ لفظ ان دونوں معنوں کی یکجائی کے ساتھ بولا گیا ہے، جیسے وخِتَامُهٗ مِسْكٌ (یعنی جنتیوں کو جو شراب کی بوتل ملے گی اس پر مشک کا ختام ہوگا جو اس بات کی ضمانت ہوگی کہ اس بوتل کو اس طرح بند کر دیا گیا ہے کہ اب اس میں سے نہ تو اندر کی چیز باہر آ سکتی ہے نہ باہر سے کوئی چیز اس کے اندر داخل ہو سکتی ہے) بس ان تین استعمالات کے سوا لفظ ''خاتم'' کا کوئی اور استعمال قرآن پاک میں نہیں ملتا، اس لیے ''وخاتم النبیین'' کا قرآنی مفہوم صاف یہ نکل آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی میں نبیوں کے ''خاتم'' بنائے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے جو [illegible] نبوت سے خارج تصور نہیں کیا جا سکتا، اور آپ [illegible] مقدمہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

[illegible] سلیمان کا تازہ اعجاز۔

© rasailojaraid.com

اور یہ تو ایک مثال ہے، سیرت النبی کی ضخیم مجلدات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو علامہ فہامہ کا یہ مسلک و ذوق تفسیری جگہ جگہ نمایاں نظر آئے گا۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اب ایک آخری بات تفسیری مسلک کے سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ "متشابہات قرآنی" کے بارے میں حضرت علامہ کا مسلک قدمائے اہل سنت والجماعۃ والا مسلک تھا کہ خدا کی ذات وصفات اور دیگر عقائد کے متعلق قرآن پاک نے جو کچھ بیان کیا ہے یا پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ تواتر جو کچھ ثابت ہے اس پر ایمان رکھتے ہوئے اپنی عقل وقیاس اور استنباط سے اس کی تشریح کرنا صحیح نہیں، گویا حضرت علامہ کے نزدیک وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ (اس کا منشا ومفہوم خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا) ایک حقیقت اعتقادیہ ہے جس سے یہ مسلک بنا کہ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (جو پختہ علم ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ بس ہم اس پر ایمان لائے کہ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے) بالفاظ دیگر متشابہات کے معاملہ میں حضرت علامہ تشبیہ کے قائل تھے مگر تنزیہہ کے ساتھ۔ وہ ید۔ قدم۔ استویٰ وغیرہ کی کوئی تاویل نہیں فرماتے تھے مگر ان میں کی ہر حقیقت کو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کے وصف سے متصف جان کر ہر تشبیہ کو تصور انسانی سے پاک اور رسائی فہم سے وراء الوریٰ سمجھتے تھے۔

حدیثی مسلک

قرآن پاک کے بعد دین کی دوسری اہم اصل حدیث نبوی ہے قرآن وحدیث کے باہمی ربط اور نزاکت ارتباط کو حضرت علامہ نے ایک وجد آفریں جملہ میں یوں ادا فرمایا ہے۔

"علم قرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے" (تعارف۔ تدوین حدیث از مولانا گیلانیؒ)

حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء بحمد اللہ ہر دور میں بہت رہے ہیں اور رہیں گے مگر جو خود مزاج اور رنگ سنت کا مرقع ہوں، ایسے محدث خال خال ہی ملیں گے، حضرت علامہ اسی فہرست کے فرد فرید تھے۔ ان کی تاریخ دانی کا شہرہ خود بھی ان کے مفسرانہ اور محدثانہ کمالات کا حجاب بنا ہوا تھا اس پر ادارتی تعصب نے ان کے معاصرین کے ہاتھوں اس کو ایک دیوار بنا کر کھڑا کر دیا ورنہ سیرۃ النبی خصوصاً اس کی جلد سوم، سیرت عائشہ اور خطبات مدراس کا ایک غیر جانبدار پڑھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والا اور فن حدیث کا واقف، کار علامہ کے عدیم النظیر محدث اور ماہر فن رجال ہونے کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ حضرت علامہ محدث تھے اور ان کا حدیثی مسلک احتیاط اور حزم محدثانہ پر مبنی تھا۔ وہ اس وقت بھی اس معاملہ میں سخت تھے جب باضابطہ حلقۂ طریقت میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اس وقت بھی ویسے ہی مستحکم رہے جب وہ شیخ طریقت ملنے لگے۔ اکثر صوفیاء کرام اپنے ذوق یا وجدان کے سہارے بعض مقولوں کو حدیث کے عنوان سے بیان کرتے ہیں، ادھر حضرات علماء اپنے موضوعہ اصول کی بنا پر "فضائل" میں توسیع اختیار کر کے ضعیف ترین احادیث کو اپنی تصانیف میں فراخی کے ساتھ شامل رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے۔ مگر حضرت علامہ کا مسلک کسی پہلو سے بھی ان گنجائشوں کا متحمل نہیں تھا۔ وہ فرماتے تھے۔ اور اس وقت ان پر خوف چھا جاتا تھا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کہ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ متعمدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مقعدہ من النار (بخاری) (یعنی جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لے) میرا دل لرز جاتا ہے کہ مبادا کوئی قول ایسا حضور کی طرف منسوب ہو جائے جو آپ نے نہ فرمایا ہو اور اس کی وجہ سے اس وعید کا مورد بننا پڑے۔ راقم الحروف نے حضرت علامہ کا منشاء یہ سمجھا کہ حزم و احتیاط کے سبب کوئی ارشاد نبوی نقل سے رہ جائے تو اس پر تو کسی عتاب و عقاب کا اندیشہ نہیں مگر غلط انتساب سے تو جہنم مول لینا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ اسی لیے دیکھا اور بارہا دیکھا کہ قبول حدیث میں علامہ نے کبھی عرفی دباؤ بھی قبول نہیں فرمایا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت علامہ سے سوال کیا کہ کیا اقطاب و ابدال کا موجود ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ علامہ نے فرمایا کہ نہیں البتہ بہ کثرت بزرگوں کی کشفی تصدیقات ملتی ہیں، اور وہ کافی ہیں، اس پر انہوں نے تعجب سے مکرر عرض کیا کہ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ حضرت علامہ نے اپنی طبعی نرم مزاجی سے دوبارہ فرمایا جی نہیں، کوئی صحیح اور قوی حدیث ایسی نہیں ملتی۔ اس پر ان مولوی صاحب نے دباؤ ڈالنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ حضرت مولانا تھانوی (جو حضرت علامہ کے پیر طریقت تھے) نے تو تعلیم الدین میں تائیدی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں، حضرت علامہ کو ان کا یہ غیر عالمانہ طرز ناگوار ہوا۔ اور قدرے چیں بہ جبیں ہو کر فرمایا، "حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے، میں نے تو نہیں لکھا، آپ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں۔" پھر جب یہ صاحب چلے گئے تو احقر کو مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ میں کیا کروں، میرا تو دل لرز جاتا ہے کہ کوئی قول حضورؐ کی جانب ایسا منسوب ہو جو آپؐ کا ارشاد نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالب و بیان والی بات تو خیر ایسی اہمیت کی نہیں مگر ظہور مہدی تک بارے میں تو ہمارے عام محدثین حتیٰ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تک سی حدیثیں اپنے رسالہ آثار قیامت وغیرہ میں تحریر فرمائی ہیں۔ مگر حضرت علامہ نے اپنے مسلک احتیاط کی بنا پر یہاں بھی بہ تمام ادب ان اکابر سے الگ ہو رہنا ہی گوارا فرمایا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے "ظہور مہدی" سے متعلقہ حدیثی روایات کے بارے میں علامہ سے دریافت کیا تو علامہ نے صاف فرمادیا کہ ان روایات میں ایک روایت بھی مجھے ایسی نہیں ملی جس میں کوئی نہ کوئی راوی شیعی نہ آگیا ہو۔ اس لیے یہ روایات ساقط الاعتبار ہیں۔

جہاں تک درس و تعلیم حدیث کا تعلق ہے میں نے یہ بات بہ صراحت حضرت علامہ سے پوچھی تھی کہ کتب احادیث تو سب وہی ہیں پھر فلاں اور فلاں مدرسہ کی تعلیم حدیث میں فرق کیا ہے؟ فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں حدیث کو حدیث کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ اور فلاں مدرسہ میں حدیث کو حنفی کر کے پڑھایا جاتا ہے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ یہ چاہتے تھے کہ حدیث پڑھاتے وقت کسی بھی فقہی مذہب کے تحفظ ذہنی کے بغیر اقوال نبوی کے منشأ کو پانے کی کوشش کرنی چاہیئے، درس حدیث میں اس بات کی طرف التفات نہ رہنا چاہیئے کہ کس حدیث سے کس فقہی مذہب کی تائید ہو رہی ہے اور کون سی روایت کس کے خلاف جارہی ہے۔ یہ کام تو فقہ کے درس میں کرنے کا ہے۔

رہی بات ادب و تعظیم حدیث کی، اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگائیے ایک مرتبہ حضرت علامہ کی مجلس میں ایک صاحب نے بالکل موضوع حدیث نقل کر دی، میں بے صبری سے کہہ پڑا کہ یہ "حدیث غلط" ہے حالانکہ وہ حضرت علامہ سے مخاطب تھے اور پھر حضرت علامہ ہی نے انہیں سلیقہ سے غلطی پر متنبہ فرمایا، جب وہ صاحب چلے گئے تو علامہ نے اس ادب ناشناس کو مخاطب کر کے نہایت نرمی سے فرمایا کہ روایت غلط سہی انتسابی نسبت کا احترام تو ضروری ہے، ایسے موقع پر توقف کر کے یوں کہنا چاہیئے کہ حضور کا یہ ارشاد نہیں یا حضور کا ارشاد ایسا نہیں ہے۔ اللہ اکبر، کیا پاس ادب ہے!

فقہی مسلک

حضرت علامہ کے فقہی مسلک کے بارے میں اہل علم مختلف نظر آتے ہیں، بعضے ان کو غیر مقلد سمجھتے ہیں اور بعضے مقلد۔ جو غیر مقلد سمجھتے ہیں وہ اس لیے ہے کہ علامہ کی تحریروں میں جامد تقلیدی رنگ نظر نہیں آتا اور جو ان کو مقلد خیال کرتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے علامہ کو ہمیشہ حنفی طرز پر نماز پڑھتے دیکھا یا تقلید کے خلاف ان کے قلم یا زبان سے کوئی بات نہیں سنی۔ بعد [illegible] کی سعادت حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہی ہے اور ان کی تصانیف کو بغور دیکھا ہے۔ اس لیے صحیح صورت حال سے یقینی آگاہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مقلد ہی تھے مگر ان کا تقلیدی رنگ وہ تھا جو دور تابعین کے بعد سے اسلام کی چوتھی صدی کے ختم تک رہا کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ عوام تک کسی خاص شخص کی فقہ کے پابند نہ تھے۔ اور خواص کا طرز تقلید یہ تھا کہ

"ان کو کسی مسئلہ میں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی تھی اور ان کے پاس بہت سی احادیث مستفیضہ تھیں، جن پر بعض فقہا عمل کر چکے تھے......... اگر تعارض نقل اور وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہ ہوتا تھا تو گذشتہ فقہائیں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ اور اگر اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ان کو ملتے تو ان میں سے جو زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا، اس کو وہ اختیار کرتے تھے۔ خواہ وہ قول اہلِ مدینہ کا ہو یا اہلِ کوفہ کا۔" (حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل۔ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا)

چنانچہ حضرت علامہ نے تراجم علمائے اہلِ حدیث مولفہ ابو یحییٰ امام خان نوشہری پر جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اس میں اپنی بابت رقم طراز ہیں:

"میں سنت کا پیرو اور توحیدِ خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیلِ راہ مانتا ہوں اور علماء کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمۂ سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔ اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھ لیں۔"

یہ تحریر ۱۳ صفر ۱۳۵۷ھ کی ہے اور علامہ کا سن وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ تھا گویا وفات سے تقریباً پندرہ برس قبل کا یہ اظہار ہے۔ مگر اس سے واضح تر تحریر جو اپنے مسلک فقہی کی صراحت ہی کے لیے علامہ نے لکھی تھی وہ ۱۱ شعبان ۱۳۴۸ھ کے اس مکتوب میں ملتی ہے جو انہوں نے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام تحریر فرمایا تھا، وہ یہ ہے۔

"فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں مگر اہلِ حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے بین کلیۃً ان سے عدول حق نہیں سمجھتا۔"
(تذکرہ سلیمان۔ صفحہ ۸۹)

اس توضیح کے بعد علامہ کے فقہی مسلک میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ یہ مسلک اور اہلِ نظر کی نگاہ میں علامہ جیسے صاحبِ تبحر نظر کے لیے کیسا ہے تو اس کے لیے حضرت مولانا تھانوی کی تصدیق ملاحظہ ہو۔ حضرت ممدوح کی جوابی تحریر ہے:-

© rasailojaraid.com

"جناب نے جب بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرمادیا، اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگیا۔ دو وجہ سے، ایک صدق و خلوص پر دال ہونے سے۔ دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے، تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے چنانچہ اس احقر پر ..... دوسرا رنگ ہے کہ میں بوجہ اپنی قلت روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں"(ایضاً)۔

غرض گو اکثر امور میں حضرت علامہ حنفی مذہب ہی کے پیرو تھے، رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ تراویح میں بیس رکعت کا التزام تھا، مگر ساتھ ہی قرأت فاتحہ خلف الامام اور ناگزیر صورت میں جمع بین الصلاتین پر بھی ان کا عمل تھا اسی طرح فتوی لکھنے میں بھی شد و مد سے ایک مسلک کے پابند نہ تھے، اس سلسلہ کا ایک چشم دید دلچسپ واقعہ سنیئے اور اس سے حکمت سلیمانی کا اندازہ لگائیے ایک انگریز میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہوئے، چند ہی دنوں بعد آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی یہ ماجرا ان کے ایک مسلمان دوست عزیز نے سنا تو انہوں نے شوہر سے کہا کہ تمہارا تو نکاح ہی فسخ ہوگیا اب نو مسلم میاں بیوی بھی پریشان اور ان کے دوست بھی حیران۔ احتیاطاً ان دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رجوع کیا تو جواب یہی ملا کہ طلاق قطعی ہی کا ملا پھر وہ حضرت علامہ کی خدمت میں آئے، سارا ماجرا سنایا علامہ نے فرمایا کہ مفتی صاحب (یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع) سے پوچھئے، انھوں نے عرض کیا کہ وہاں سے بھی یہی جواب ملا، علامہ نے مسکراتے [illegible] فرمایا تو آپ [illegible] تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحب کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں لائیے، مجھے جو کچھ لکھنا ہے، میں وہیں لکھ دوں گا، چنانچہ دوسرے روز جلسہ جب ختم ہوا اور مخصوص علماء، جن میں حضرت مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور خود حضرت میزبان ممتاز ترین تھے۔ پہلے نوشی کے لیے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے تو علامہ نے ان صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا۔ متفقہ جواب یہ تھا کہ "طلاق واقع ہوگئی"۔ پھر حضرت علامہ نے اپنے قلم سے اس پر فتوی یہ تحریر فرمایا، کہ "اہل سنت والجماعۃ میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی رجوع کرا دیا جائے"۔ (لفظی تعبیر ممکن ہے، غالب یاد داشت یہی ہے) پھر علماء کرام کو یہ جواب دکھاتے ہوئے فرمایا کہ نو مسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں اور نہ شافعی لہذا قانون میں کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انہیں ملنا چاہیئے، اس پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برملا فرمایا کہ یہ جواب حضرت ہی لکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے تھے ہم چونکہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں اس لیے نہیں لکھ سکتے۔ پھر مفتی اعظم پاکستان نے بھی اس قول کی تائید فرمائی۔

ایک اور بات، اکثر فقہاء نے مدات زکوٰۃ والی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الخ میں فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد صرف جہاد بالسیف لیا ہے اور لِلْفُقَرَآءِ کے لام کو لامِ تملیک قرار دیا ہے حضرت علامہ کے نزدیک یہ تحدیدات درست نہیں۔ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ میں ہر دینی کام شامل ہو سکتا ہے اور لِلْفُقَرَآءِ کے لام کو لامِ انتفاع لینا چاہیئے۔ سیرۃ النبی جلد پنجم میں اس مقام پر یہ بصیرت افروز حاشیہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔

"اکثر فقہاء نے فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی ابھی آیت گزر چکی ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اس سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملک بنانا ضروری ہے مگر ان کا استدلال جو لِلْفُقَرَآءِ کے لام تملیک پر مبنی ہے، بہت کچھ مشتبہ ہے، ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا"

علامہ کی یہ توضیح فرنگی دورِ غلامی میں چاہے ہمارے علماء کے لیے ناقابلِ اعتنا رہی ہو، مگر آج پاکستان میں ترویج زکوٰۃ کے مرحلہ پر اس کی اہمیت اور افادیت پر اگر توجہ نہ دی گئی تو محض ایک روایتی تعبیر پر اصرار کی وجہ سے صرف زکوٰۃ کا دائرہ اپنے ہاتھوں آپ محدود ہو کر رہ جائے گا۔ اور دوسری طرف اہلِ مدارس کی چلائی ہوئی "حیلہ تملیک" کی قباحت کو قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ!

صوفیانہ مسلک

حضرت علامہ کا گھرانہ خانوادۂ نقشبندیہ سے منسلک تھا اور خود علامہ کی ابتدائی روحانی تربیت ان کے برادرِ بزرگ سید ابو حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ اثر ہوئی تھی جو قطبِ وقت شاہ ابو احمد بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ذوق اتباعِ سنت میں مثال تھے، لازماً اتباعِ سنت کا یہ نکھرا ہوا ذوق علامہ کے قلب و دماغ نے بھی قبول کیا دوسری طرف علامہ شبلی نعمانی رح نے اپنے اس جواں عمر شاگردِ عزیز کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا کہ بقول حضرت سلیمان "اپنی زندگی میں اور اپنی زندگی کے بعد بھی بہ شکلِ وصیت، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، رحمتِ عالم، سید اولادِ آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکارِ اقدس میں، جہاں وہ سب سے آخر پہنچے تھے، سب سے اول پہنچا دیا" (حیاتِ شبلی صفحہ

راست اتباعِ نبوی کا یہ ذوق متوجہ بہ تصوف ہو کر اور زیادہ تیز ہو گیا تھا، اس کا اظہار اپنے پہلے عریضہ میں مرشد تھانوی کے ان الفاظ میں کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدت تامہ رکھتا ہوں، خرافات وطامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں، صالح نہیں لیکن صلاح حال کا دل سے خواستگار ہوں" (تذکرہ سلیمان، صفحہ ۸۹)

حضرت اقدس تھانوی نے درمیانی جملے کی بابت اپنے رنگ کا اظہار یوں فرمایا کہ "صوفیہ کے احوال و اقوال کو محتمل تاویل سمجھتا ہوں۔ الا من تحقق بطلانہم بالقطع" (ایضاً)

بہر حال اس نقشبندی جوہر کا چشتی اشرفی بھٹی کی آگ میں پھنک کر جو کشتہ تیار ہوا تو اس میں ایک انفرادیت اور صوفیانہ مسلک کا وہ نکھار پیدا ہوا کہ وہ ٹھیک سلف اولین والی جلا سے مجلّی ہو گئے حضرت علامہ کے مسلک احسانی کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں

(ا) وحدۃ الوجود ہو کہ وحدۃ الشہود ان میں سے کوئی چیز مدار طریق نہیں بعض حال کا درجہ رکھتے ہیں (جیسے وحدۃ الوجود و الشہود) اور بعض محض افلاطونی فلسفہ کی متبدل شکلیں ہیں (جیسے تنزلات ستہ) لہٰذا ان کی طرف توجہ نہ ہونی چاہیئے۔

(ب) صرف توحید تنزیہی مطلوب ہے تشبیہہ کا انکار نہ ہو مگر تشبیہہ میں بھی تنزیہ کا اقرار رہے (کہ لیس کمثلہ شیٔ ہے)

(ج) توحید افعالی پر تمام تر توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔ قرآن پاک نے سارا زور توحید افعالی پر دیا ہے یہی توحید ذاتی تک رسائی کا محفوظ زینہ ہے۔

(د) کثرت وظائف و اوراد کے بجائے ہر عمل میں اتباع سنت اور ہر عمل سے متعلقہ ادعیۂ ماثورہ کی پابندی پر توجہ مرکوز رہے، اسی سے وصول الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔

(ہ) مصطلحات صوفیانہ سے گریز اور قرآنی و حدیثی اصطلاحات پر اکتفاء رہے (جیسے خشوع، خضوع، تقویٰ، خشیت، ذکر، فکر، احسان وغیرہ)

(و) ساری توجہ لطیفہ قلب پر مرکوز رہے، کہ یہی قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور ذکر مفرد مع الحضور کی کثرت سے رسوخ اور دوام حضور حاصل کیا جائے۔

(ز) محاسبہ نفس کی ہمہ وقتی مشق اور اہتمام تادم آخر قائم رہے۔

اب آخری بات جو تصحیح فہم کے نقطۂ نظر سے اولین اہمیت کی چیز ہے کہ حاصل تصوف کیا ہے؟ اس کو خود حضرت علامہ کی زبان عارفانہ میں سنئے، اپنے شاگرد عزیز مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک والا نامہ میں تحریر فرما رہے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ح) "ہر عمل میں طلبِ رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندے کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو "نسبت" کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً انہی کے لیے نوید بشارت ہے" (مکاتیب سلیمانی مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی)

اجتماعیاتی مسلک

سب جانتے ہیں کہ حضرت علامہ خالص علمی و تحقیقاتی کاموں کے لیے جوانی ہی سے خود کو وقف فرما چکے تھے، ان کی اسی فنائیت علمی کا ثمرہ ہے کہ ان کی حیات ہی میں دار المصنفین کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل چکا تھا، اس کے باوجود ہر دیکھنے والا یہ بھی دیکھتا ہے کہ وہ ۱۹۱۵ء میں مسلم لیگ کے اولین اجلاس میں بمبئی میں اور پھر اس کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی میں شریک ہیں، ۱۹۱۷ء میں مجلس علمائے بنگلہ منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرما رہے ہیں، ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت میں علمائے ہند کی تنہا نمائندگی یورپ میں فرما رہے ہیں، ۱۹۲۳ء میں صوبہ بہار کی خلافت کانفرنس کے اجلاس میں کرسی صدارت کو زینت بخشتے ہوئے ہیں، ۱۹۲۴ء میں حجاز اور مصر پہنچ کر ابن سعود اور شریف حسین میں کامیاب مصالحت کرا رہے ہیں، ۱۹۲۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کے تاریخی سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ کی زمام صدارت ہاتھ میں لیے علماء کرام کو سمت عمل کی صحیح نشاندہی فرما رہے ہیں۔

ادھر الہلال کی ضیاء پاشیوں میں نور کی کتنی تابناکیاں ہیں جو اسی آفتاب علم کی رہین منت ہیں۔ پھر تحریک پاکستان کے بھونچالی دور میں وہی صاحب نظر ہے جو بہ ظاہر الگ تھلگ مگر خاموشی سے "اسلام کا سیاسی نظام" اپنی نگرانی میں مرتب کرا کے لیگیوں کے حوالے کر رہا ہے۔ پھر جب پاکستان بن چکا تو اس کی دعوت پر ۱۹۵۰ء میں یہاں آکر علامہ ہی کی فعالیت ہے جو مراحل دستور سازی اور تشکیل قانون اسلامی میں کارفرما نظر آتی ہے۔ دوسری سمت دیکھئے تو وہی بالواسطہ دھیمے دھیمے جماعت اسلامی کی ہائی کمان کو جادۂ حق پر لانے کی حکیمانہ کوشش فرما رہے ہیں کبھی دیکھئے تو وہی ہیں جو شانِ فقر لیے تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں نم دیدہ دست بہ دعا دکھائی دے رہے اور زعمائے تبلیغ کو وسعت فکر و عمل کی وصیت کر رہے ہیں۔

غرض خلوت پسندی اور اجتماعی جد و جہد میں عجیب دلکش و دلفریب ربط پیدا کیے ہوئے ہیں۔ یہی حضرت علامہ کے اجتماعی مسلک کا امتیاز ہے جو دراصل قرآن پاک کی دو آیات پر اپنی اساس قائم کیے ہوئے تھا

ایک تو،

(۱) تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (نیکی اور تقویٰ کے معاملہ سے تعاون)

© rasailojaraid.com

اور دوسرے

(۲) لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا (یعنی اپنی خدمات میں مخلوق کی طرف سے جزا یا قدردانی کے صلہ سے بے نیازی)

اسی لیے حضرت علامہ کے مسلک اجتماعی میں بڑی ہمہ گیری تھی، ان کا اجتماعیاتی مسلک آویزش و محاذ آرائی کی تلخیوں سے پاک، منصب و جاہ کی حرص اور نمود و شہرت کی نفسانی خواہشات سے منزہ تھا۔ یہاں کسی خاص جماعت میں نہ انضمام تھا نہ کسی سے انقطاع بلکہ انضمام و انقطاع کے درمیان "بے غرض تعاون" تھا جو صرف امت محمدیہ سے محبت اور اس کی دلسوزی کے محرکات اور صرف اور صرف رضائے الٰہی کی طلب کے اضطراب قلبی کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ہزارہا رحمتیں اور پیہم نوازشیں ہوں ایسے پاکیزہ مسلک سید الملت والدین حضرت علامہ سید سلیمان ندوی (قدس سرہ) کی روح پرفتوح پر۔

© rasailojaraid.c

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.c